نقطہ نظر

حدود قوانین

جسٹس ایس اے ربانی
سابق جج سندھ ہائی کورٹ اور فیڈرل شریعت کورٹ

نفاذ حدود اللہ کے بارے میں آج پوری قوم انتشار کا شکار اور تقسیم نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ قرآنی احکام کی تعبیر اور تشریح میں ابہام اور ابہام پیدا کرنے والوں سے انفرادی عقیدت ہے۔ قرآن کی مقرر کردہ سزاؤں کے نفاذ کے سلسلے میں یہ اصول جسے بغیر کسی سوال کے مان لیا گیا ہے وہ ان سزاؤں کے لیے طریقۂ ثبوت اور گواہوں کی تعداد کے بارے میں ہے۔ اس کے مطابق ایسی قرآنی مقرر کردہ سزا کے لیے زنا کے ہر کیس میں چار عینی گواہ لازمی ہیں۔ اس اصول کے ثبوت کے لیے مندرجہ ذیل قرآنی آیتوں پر انحصار کیا جاتا ہے۔

والتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم، فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت حتی یتوفهن الموت او یجعل الله لهن سبیلا۔ (النساء: ۱۵)

اور جو ارتکاب کریں تمہاری عورتوں میں سے تو گواہی لاؤ ان پر چار مردوں کی اپنوں میں سے، پھر اگر گواہی دے دیں وہ تو قید رکھو ان عورتوں کو گھروں میں حتیٰ کہ آ جائے انہیں موت یا نکالے اللہ ان عورتوں کے لیے کوئی اور سبیل۔

والذن یاتینها منکم فاذوهما فان تابا واصلحا فاعرضوا عنهما ان الله کان توابا رحیما۔ (النساء: ۱۶)

اور جو دو مرد ارتکاب کریں بدکاری کا تم میں سے تو اذیت دو ان کو (جسمانی اور ذہنی) پھر اگر توبہ کر لیں وہ دونوں اور اپنی اصلاح بھی کر لیں تو پیچھا چھوڑ دو ان کا۔ بے شک اللہ ہے بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا۔

الزانیه والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة ولا تاخذکم بهما رافة فی دین الله ان کنتم تومنون بالله والیوم الاخر ولیشهد عذابهما طائفة من المومنین۔ (النور: ۲)

زانی عورت اور زانی مرد کو کوڑے مارو ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو سو کوڑے اور نہ دامن گیر ہو تم کو ان کے سلسلہ میں ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں اگر رکھتے ہو تم ایمان اللہ پر اور روز آخرت پر اور چاہیے کہ مشاہدہ کرے ان کی سزا کا ایک گروہ مومنوں کا۔

والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمنین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفسقون۔ (النور: ۴)

اور جو لوگ تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پر پھر نہ لا سکیں وہ چار گواہ تو کوڑے مارو انہیں اسی کوڑے اور نہ قبول کرو ان کی گواہی کبھی بھی اور یہی لوگ فاسق ہیں۔

لولا جاءو علیه باربعة شهداء فاذلم یاتوا بالشهداء فاولئک عندالله هم الکذبون۔ (النور: ۱۳)

کیوں نہ لائے اس الزام پر چار گواہ۔ پھر جبکہ نہیں لا سکے وہ گواہ تو یہ لوگ اللہ کے نزدیک خود ہی جھوٹے ٹھہرے۔

ایک مسلمان کو قرآن کی تعبیر اس بنیادی عقیدہ پر کرنی چاہیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ قادر الکلام ہے۔ اسے نہ تو زبان کا کوئی مسئلہ ہے اور نہ وہ کچھ بھولتا ہے۔ وہ جو بات جہاں اور جیسے کہنا چاہتا ہے کہہ سکتا ہے۔ نتیجہ: اللہ تعالیٰ کو جو بات جہاں اور جیسے کہنا تھی وہ صاف طور پر فرما دی گئی ہے۔ اس لیے کسی تعبیر و تشریح کرنے والے کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یہ نکتہ نکالے کہ جو بات ایک اور جگہ اور ایک دوسرے سلسلہ میں کہی گئی ہے وہ کسی اور جگہ بھی اور کسی اور مسئلہ پر بھی لازم ہوگی۔

قرآن مجید میں زنا کی سزا کا حکم سورۃ النور کی آیت نمبر ۲ میں دیا گیا ہے۔ اس آیت میں اس سزا کے لیے طریقۂ ثبوت پر کوئی شرط نہیں لگائی گئی لیکن یہ ظاہر ہے کہ سزا جب ہی دی جائے گی جب جرم ثابت ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ ثبوت کے سلسلے میں کوئی مخصوص طریقۂ کار دینا چاہتا تو یہاں بیان کرنے میں کوئی مشکل نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ثبوت کے طریقۂ کار کو انسانی عقل پر چھوڑ دیا ہے۔

تعبیر و تشریح کرنے والوں نے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۵ کے حکم کو سورۃ النور کی اس آیت سے ملزوم کر دیا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ اس کا اطلاق زانی مرد کے جرم کے ثبوت کے لیے بھی کر دیا

ہے۔ اس کے لئے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۹ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ آیت نمبر ۱۹ کا اگر یہ مطلب بھی لیا جائے کہ یہ دو مردوں کے لیے نہیں بلکہ زانی اور زانیہ کے لیے ہے تب بھی یہ صرف دونوں کو سزا دینے کے لیے حکم ہے۔ اس میں طریقہ ثبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور نہ یہ گواہوں کی شرائط کے بارے میں کوئی اشارہ کرتی ہے۔

سورۃ النساء کی یہ دونوں آیتیں سورۃ النور کی مذکورہ بالا آیات سے پہلے ایک اور موقع پر نازل ہوئی تھیں۔ یہ واضح ہے کہ آیت نمبر ۱۵ میں عورتوں کو بے وجہ الزام تراشی سے محفوظ رکھنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ اور اسی لیے چار گواہوں کی شرط لگائی گئی تھی۔ دوسرے اس آیت میں "فاحشہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جبکہ سورۃ النور کی آیت نمبر ۲ میں زانی اور زانیہ کے الفاظ آئے ہیں۔ بہر حال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سورۃ النور آیت نمبر ۲ کا حکم سورۃ النساء کی اس آیت کے حکم پر منحصر ہے تب بھی کسی طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ زانی مرد پر سورۃ النور کی آیت نمبر ۲ کے اطلاق کے لیے چار مرد گواہوں کی شرط ضروری ہے۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۵ مکمل طور پر عورتوں کے بارے میں ہے اور اس میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ عورتوں پر فاشی کا الزام لگانے میں احتیاط برتی جائے اور جب تک اس میں بیان کی ہوئی شہادت یعنی چار مرد گواہ موجود نہ ہوں یہ الزام نہ لگایا جائے۔ لیکن مرد کا جرم الگ ہے اور اسے قرآنی سزا کے لیے اس ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔

مولانا مودودی نے "تفہیم القرآن" میں لکھا ہے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۵ اور ۱۶ میں دیا گیا حکم ڈھائی تین سال بعد سورۃ النور آیت نمبر ۲ کا حکم نازل ہونے پر منسوخ ہو گیا اور زنا ایک قانونی جرم قابل دست اندازی سرکار قرار دیا گیا۔ سورۃ النساء کی ان آیات کے حکم کی منسوخی کے باوجود بھی اگر چار مرد گواہوں کی شرط برقرار رہی تو وہ صرف عورتوں کے تحفظ کے لیے ہی ہو سکتی ہے۔ مرد اس کا فائدہ نہیں لے سکتے۔ کہا جاتا ہے کہ زنا بالرضا میں مرد اور عورت دونوں مل کر یہ جرم کرتے ہیں اس لیے دونوں کے جرم کے لیے ایک جیسا ثبوت ضروری ہے۔ یہ مفروضہ بے بنیاد ہے کیونکہ دونوں کا جرم الگ ہے اسی لیے دونوں کو الگ الگ سزا دی جاتی ہے۔ اگر کسی کیس میں ایسا ہو کہ زنا بالرضا کے جرم کے بعد کسی وجہ سے عورت کا انتقال ہو جائے تو اس پر کوئی کیس نہیں چلے گا۔ تو کیا مرد کو بھی بغیر کیس چلائے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر صرف اس پر کیس چلے گا تو گواہی کے سلسلے میں زانی پر ثبوت کے لیے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۵ کا اطلاق کیسے کیا جا سکتا ہے۔ سورۃ النور کی آیت نمبر ۴ میں چار گواہ لانے کی شرط کا تذکرہ بھی اسی بات کی دلالت کرتا ہے یہ شرط صرف عورتوں پر الزام کے سلسلے میں ہے۔ لیکن ہماری تعبیر و تشریح

کرنے والوں نے اس کا اطلاق مردوں پر الزام پر بھی کر دیا اور قذف کی حد کو مردوں پر الزام پر بھی لاگو کر دیا ہے۔ جبکہ آیت میں "یرمون المحصنت" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یہ طے شدہ کلیہ ہے کہ مذکر کا صیغہ مؤنث کو بھی شامل کر سکتا ہے مگر مؤنث کا صیغہ مذکر کو شامل نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اگر قذف کی حد مردوں پر الزام پر بھی نافذ کرنا چاہتا تو اس کے لیے واضح الفاظ کا استعمال کچھ مشکل نہ تھا۔ سورۃ النور کی آیت نمبر ۱۳ میں بھی چار گواہوں کا تذکرہ ہے مگر یہ بھی عورت ہی پر الزام کے سلسلے میں ہے۔

پس اگر اس عقیدے سے کہ اللہ تعالیٰ قادر الکلام ہے اور وہ بھول بھی نہیں ہے۔ تمام متعلقہ آیات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عورتوں کے خلاف فاشی کے الزام کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہے لیکن مردوں کے خلاف ثبوت کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ ثبوت کے اور مروجہ طریقے ان کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

اسی طرح دوسرے حدود کے کیسوں میں اور قصاص کے لیے بھی دو مرد گواہوں کی شرط کی بھی کوئی قرآنی بنیاد نہیں ہے۔ مستقبل کے مالی معاہدوں پر دو مرد گواہوں کی شرط کو جرائم کے ثبوت تک پھیلا دینا منطقی طور پر غلط ہے۔ معاہدہ کے گواہ مرضی پر ہوتے ہیں جبکہ جرم کے گواہ قدرتی طور پر ہوتے ہیں اور اپنی مرضی سے مقرر نہیں کیے جا سکتے۔ ویسے بھی اگر اللہ تعالیٰ یہ مقرر کرنا چاہتا تو حدود کے تذکرے کے ساتھ واضح الفاظ میں ان کے بیان میں کیا شے مانع تھی۔

اللہ تعالیٰ نے قذف کی حد کا حکم صرف ان کے خلاف دیا تھا جو "محصنت" پر الزام لگائے۔ اس کے لیے النساء کا لفظ بھی استعمال نہیں ہوا۔ یعنی ہر قسم کی عورت پر الزام سے بھی حد قذف لازم نہیں ہوتی۔ مگر ہمارے علماء نے مردوں پر الزام پر بھی اس حد کو نافذ کر دیا۔ تعبیر کی اسی قسم کی غلطیوں کی وجہ سے اسلامی اور قرآنی احکام پر تنقید اور اعتراض کی گنجائش نکلتی ہے۔

گواہوں کی ان شرائط کے اطلاق کو وسیع کر کے ہمارے تعبیر و تشریح کرنے والوں نے اللہ کی حدود کے احکام کو نا قابل عمل بنا دیا ہے اور پھر اس پر فخر کرتے ہیں کہ ان احکام پر عمل شاذ ہی ہوتا ہے۔ اس تعبیر کے ذریعے عورتوں کا گواہی کا حق چھین لیا گیا ہے۔ جس کے لیے کوئی قرآنی جواز نہیں ہے۔ قرآن کی صحیح تعبیر ہی یہ مسئلہ حل کر سکتی ہے۔

....

اُصول ترجمہ وتفسیر

مولانا ابوالکلام آزادؒ

ہر عہد کا مصنف اپنے عہد کی ذہنی آب وہوا کی پیداوار ہوتا ہے۔ اور اس قاعدے سے صرف وہی دماغ مستثنیٰ ہوتے ہیں جنہیں مجتہدانہ ذوق ونظر کی قدرتی بخشائش نے صف عام سے الگ کر دیا ہو چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے لے کر قرون اخیر تک جس قدر مفسر پیدا ہوئے ان کا طریق تفسیر ایک رو بہ تنزل معیار فکر کی مسلسل زنجیر ہے جس کی ہر پچھلی کڑی پہلی کڑی سے پست تر اور ہر سابق لاحق سے بلند تر واقع ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں جس قدر اوپر کی طرف بڑھتے جاتے ہیں۔ حقیقت زیادہ واضح، زیادہ بلند اور اپنی قدرتی شکل میں نمایاں ہوتی جاتی ہے۔ جس قدر نیچے اترتے آتے ہیں حالت برعکس ہوتی جاتی ہے۔

یہ صورت حال فی الحقیقت مسلمانوں کے عام دماغی تنزل کا قدرتی نتیجہ تھی۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قرآن کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو کوشش کی کہ قرآن کو اس کی بلندیوں سے اس قدر نیچے اتار لیں کہ ان کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔

اب اگر ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو اس کی حقیقی شکل ونوعیت میں دیکھیں تو ضروری ہے کہ پہلے وہ تمام پردے ہٹائیں جو مختلف عہدوں اور مختلف گوشوں کے خارجی موثرات نے اس کے چہرے پر ڈال دیے ہیں۔ پھر آگے بڑھیں اور قرآن کی حقیقت خود قرآن ہی کے صفحوں میں تلاش کریں۔

بعض اسباب ومؤثرات جو فہم حقیقت میں مانع ہیں

یہ مخالف اثرات جو یکے بعد دیگرے جمع ہوتے رہے دو چار نہیں بے شمار ہیں اور ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں ممکن نہیں کہ انتشار کے ساتھ بیان میں آسکیں۔ لیکن میں نے مقدمہ تفسیر میں کوشش کی ہے کہ انہیں چند اصول وانواع کے ماتحت سمیٹ لوں۔ اسی سلسلے میں حسب ذیل دفعات قابل غور ہیں۔

۱۔ قرآن حکیم اپنی وضع، اپنے اسلوب، اپنے انداز بیان، اپنے طریق خطاب، اپنے طریق استدلال،

غرضکہ اپنی ہر بات میں ہمارے وضعی اور صناعی طریقوں کا پابند نہیں ہے۔ اور نہ اسے پابند ہونا چاہیے۔ وہ اپنی ہر بات میں اپنا بے میل فطری طریقہ رکھتا ہے اور یہی وہ بنیادی امتیاز ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے طریق ہدایت کو علم وحکمت کے وضعی طریقوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔

قرآن جب نازل ہوا تو اس کے مخاطبوں کا پہلا گروہ بھی ایسا ہی تھا۔ تمدن کے وضعی اور صناعی سانچوں میں ابھی اس کا دماغ نہیں ڈھلا تھا۔ فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قانع تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اپنی شکل ومعنی میں جیسا کہ واقع ہوا تھا، ٹھیک ٹھاک ویسا ہی اس کے دلوں میں اتر گیا اور اسے قرآن کے فہم ومعرفت میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں ہوئی۔ صحابہ کرام پہلی مرتبہ قرآن کی کوئی آیت یا سورت سنتے تھے اور سنتے ہی اس کی حقیقت پالیتے تھے۔

لیکن صدر اول کا دور ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ روم وایران کے تمدن کی ہوائیں چلنے لگیں اور پھر یونانی علوم کے تراجم نے علوم وفنون وضعیہ کا دور شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیت کا شوق بڑھتا گیا، قرآن کے فطری اسلوبوں سے طبیعتیں ناآشنا ہوتی گئیں۔ رفتہ رفتہ وہ وقت آگیا کہ قرآن کی ہر بات وضعی اور صناعی طریقوں کے سانچوں میں ڈھالی جانے لگی۔ چونکہ ان سانچوں میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی۔ اس لیے طرح طرح کے الجھاؤ پیدا ہونے لگے اور پھر جس قدر کوششیں سلجھانے کی کی گئیں الجھاؤ اور زیادہ بڑھتے گئے۔

فطریت سے جب بعد ہو جاتا ہے اور وضعیت کا استغراق طاری ہو جاتا ہے تو طبیعتیں اس پر راضی نہیں ہوتیں کہ کسی بات کو اس کی قدرتی سادگی میں دیکھیں۔ وہ سادگی کے ساتھ حسن وعظمت کا تصور کر ہی نہیں سکتیں۔ وہ جب کسی بات کو بلند اور شاندار دکھانا چاہتی ہیں تو کوشش کرتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ وضعیت اور صناعیت کے پیچ وخم پیدا کر دیں۔ یہی معاملہ قرآن کے ساتھ پیش آیا ہے۔ سلف کی طبیعتیں وضعی طریقوں میں نہیں ڈھلی تھیں۔ اس لیے وہ قرآن کی سیدھی سادی حقیقت بے ساختہ پہچان لیتے تھے لیکن خلف کی طبیعتوں پر یہ بات شاق گزرنے لگی کہ قرآن اپنی سیدھی سادی شکل میں نمایاں ہو۔ ان کی وضعیت پسندی اس پر قانع نہیں ہو سکتی تھی۔ انہوں نے قرآن کی ہر بات کے لیے وضعیت کے جامے تیار کرنے شروع کر دیے اور چونکہ یہ جامہ اس پر راست نہیں آسکتا تھا۔ اس لیے بہ تکلف پہنانا چاہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقت کی موزونیت باقی نہ رہی۔ ہر بات ناموزوں اور الجھی ہوئی بن کر رہ گئی۔

تفسیر قرآن کا پہلا دور وہ ہے جب علوم اسلامیہ کی تدوین وکتابت شروع نہیں ہوئی تھی۔ دوسرا دور تدوین وکتابت سے شروع ہوتا ہے۔ اور اپنے مختلف عہدوں اور طبقوں میں اترتا آتا ہے۔ ہم

محسوس کرتے ہیں کہ ابھی دوسرا دور شروع ہی ہوا تھا کہ یہ جامہ قرآن کے لیے بننا شروع ہو گیا۔ لیکن اس منتہائے بلوغ، فلسفہ وعلوم کی ترویج واشاعت کا آخری زمانہ ہے۔ یہی زمانہ ہے جب امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر لکھی اور پوری کوشش کی کہ قرآن کا سراپا اس مصنوعی لباس وضعیت سے آراستہ ہو جائے۔ اگر امام رازی کی نظر اس حقیقت پر ہوتی تو ان کی پوری تفسیر نہیں تو دو تہائی حصہ یقیناً بے کار ہو جاتا۔ بہر حال یاد رہے وضعیت کے سانچے جتنے ٹوٹتے جائیں گے۔ قرآن کی حقیقت اُبھرتی آئے گی۔

قرآن کے اسلوب بیان کی نسبت لوگوں کو جس قدر مشکلیں پیش آئیں محض اس لیے کہ وضعیت کا استغراق ہوا اور فطریت کی معرفت باقی نہ رہی۔ قرآن کے مختلف حصوں اور آیتوں کے مناسبات وروابط کے سارے الجھاؤ صرف اس لیے ہیں کہ فطریت سے بعد ہو گیا اور وضعیت ہمارے اندر بسی ہوئی ہے ہم چاہتے ہیں قرآن کو بھی ایک ایسی مرتب کتاب کی شکل میں دیکھیں جیسی کتابیں ہم مرتب کرتے ہیں۔

قرآن کی زبان کی نسبت بحثوں کا جس قدر انبار لگا دیا گیا ہے وہ بھی محض اس لیے ہے کہ فطرت کے سمجھنے کی ہم میں استعداد باقی نہیں رہی۔ قرآن کی بلاغت کا مسئلہ ہمارے وجدان کے لیے اس قدر سہل مگر ہمارے دماغ کے لیے اس قدر دشوار کیوں ہو رہا ہے! صرف اسی لیے کہ وضعیت کا خود ساختہ ترازو ہمارے ہاتھ میں ہے ہم چاہتے ہیں اسی سے قرآن کی بلاغت بھی وزن کریں۔

قرآن کا طریق استدلال کیوں نمایاں نہیں ہوتا؟ اس کے تمام دلائل وبراہین جنہیں وہ "حجۃ بالغۃ" سے تعبیر کرتا ہے کیوں مستور ہو گئے ہیں؟ اسی لیے کہ وضعیت کے استغراق نے منطق کا سانچہ ہمیں دے دیا ہے ہم چاہتے ہیں قرآن کے دلائل وبراہین بھی اسی میں ڈھالیں۔ غرضکہ جس گوشے میں جاؤ گے یہی اصل سامنے پاؤ گے۔

۲۔ جب کسی کتاب کی نسبت یہ سوال پیدا ہو، اس کا مطلب کیا ہے؟ تو قدرتی طور پر ان لوگوں کے فہم کو ترجیح دی جائے گی جنہوں نے خود صاحب کتاب سے مطلب سمجھا ہو۔ قرآن تیئس برس کے اندر بہ تدریج نازل ہوا۔ وہ جس قدر نازل ہوتا تھا صحابہ کرام سنتے تھے نمازوں میں دہراتے تھے اور جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا۔ خود پیغمبر اسلام ﷺ سے پوچھ لیتے تھے۔ ان میں بعض افراد خصوصیت کے ساتھ فہم قرآن میں ممتاز ہوئے اور خود پیغمبر اسلام ﷺ نے اس کی شہادت دی مذہبی خوش اعتقادی کی بناء پر نہیں بلکہ قدرتی طور پر ان کے فہم کو بعد کے لوگوں کے فہم پر ترجیح ہونی چاہیے۔ لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں سمجھا گیا۔ بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے عہد کے فکری مؤثرات کے ماتحت نئی نئی کاوشیں شروع کر دیں۔ اور سلف کی صریح تفسیر کے

خلاف ہر گوشے میں قدم اٹھا دیے۔ کہا گیا "سلف ایمان میں قوی ہیں لیکن علم میں خلف کا طریقہ قوی ہے"۔ حالانکہ خود سلف کا اپنی نسبت یہ اعلان تھا کہ "ابرھم قلوبا و اعمقھم علما۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روز بروز حقیقت مستور ہوتی گئی اور اکثر گوشوں میں ایک صاف بات الجھتے الجھتے بالکل ناقابل حل بن گئی۔

آفت پر آفت یہ ہوئی کہ پہلے ایک کمزور پہلو اختیار کیا گیا۔ پھر بڑھتے بڑھتے دور تک نکل گئے۔ پھر جب مشکلوں سے دوچار ہوئے تو نئی نئی بحثوں اور کاوشوں کی عمارتیں اٹھانے لگے۔ متون، شرح، حواشی اور منسیات وتعلیقات کا طریقہ یہاں بھی چلا۔ اس نے اور زیادہ الجھاؤ میں الجھاؤ ڈالے، اور بعض صورتوں میں تو پردوں کی اتنی تہیں جمع ہو گئیں کہ ایک کے بعد ایک اٹھاتے چلے جاؤ۔ ظلمات بعضھا فوق بعض۔ کا عالم دکھائی دے گا۔

اس بات کا اندازہ کرنے کے لیے کہ قرآن کا کوئی ایک مقام لے لو پہلے اس کی تفسیر صحابہ و تابعین کی روایات میں ڈھونڈو پھر بعد کے مفسروں کی طرف رخ کرو اور دونوں کا مقابلہ کرو صاف نظر آجائے گا کہ صحابہ وسلف کی تفسیر میں بالکل واضح تھا۔ بعد کی بے محل دقیقہ سنجیوں نے اسے کچھ سے کچھ بنا دیا اور الجھاؤ پیدا ہو گئے۔

مثلاً سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتوں کی نسبت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ "الذین یومنون بالغیب و یقیمون الصلوۃ ۔الخ" سے مقصود عرب کے اہل ایمان ہیں اور "والذین یومنون بما انزل الیک ۔الخ" سے اہل کتاب۔ امام ابن جریر نے بھی یہی تفسیر اختیار کی لیکن بعد کے مفسر اس پر قانع نہیں ہوئے اور عجیب عجیب دور از کار بحثیں پیدا کر دیں نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے "ھدی للمتقین" کے مطلب کی نشست بگڑی پھر قرآن نے تین گروہوں کی تقسیم کر کے جس بات پر زور دیا تھا اس کی ساری خوبی اور حقیقت گم ہو گئی۔

۳۔ مسلم اقوام کے قصص وروایات اول دن سے پھیلنا شروع ہو گئے تھے۔ ان میں اسرائیلیات (یعنی یہودیوں کے قصص وخرافات) کو ہمیشہ محققین نے چھانٹنا چاہا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان عناصر کے بھی اثرات دور دور تک سرایت کر چکے تھے اور وہ برابر جسم تفسیر میں پیوست رہے۔

۴۔ ایک طرف تو صحابہ وسلف کی روایات سے تغافل ہوا۔ دوسری طرف روایات تفسیر کے غیر محتاط جامعوں نے الگ آفت بپا کر دی اور ہر تفسیر جس کا سر کسی نہ کسی تابعی سے ملا دیا گیا، سلف کی تفسیر سمجھ لی گئی۔

۵۔ اس صورت حال کا سب سے زیادہ افسوس ناک نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کا طریق استدلال دور از کار دقیقہ سنجیوں میں گم ہو گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس کے تمام بیانات کا محور ومرکز اس کا طریق استدلال ہی ہے۔ اس